© rasailojaraid.com

مولانا محمد حنیف ندوی

جمع و کتابتِ قرآن کے تین مراحل

عہدِ نبوّت ۔ قرآن کا رشتہ معاشرہ سے کبھی منقطع نہیں ہوا

قرآن حکیم اور دوسری الہامی کتابوں میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ تمام کتبِ سابقہ تاریخ کی ستم ظریفیوں سے بری طرح متاثر ہوئی ہیں اور ان پر ایسے دَور بھی آتے ہیں جب ان کا رشتہ عملاً معاشرہ سے کٹ کر رہ گیا ہے ۔ بخلاف قرآن حکیم کے کہ یہ کتاب جب سے اور جس طرح نازل ہوئی ہے اسلامی معاشرہ کی رگِ جان رہی ہے ۔ ہزاروں اور لاکھوں دلوں میں اس نے گھر کیا ہے ۔ بے شمار ذہنوں کو بدلنے اور فکر و نظر کی نئی سمتیں عطا کرنے میں اس کا براہِ راست حصہ ہے ۔ یہی نہیں اسلامی معاشرہ کے خدوخال کو نکھارنے محفوظ رکھنے اور اس میں فرق و امتیاز کی خصوصیات کو اجاگر کرنے میں قرآن حکیم کا کردار اتنا واضح اور مسلمہ ہے کہ اس کے بارے میں قطعی دو رائیں نہیں ہو سکتیں ۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ کتاب حکیم روزِ اول ہی سے نہ صرف تحریف و تصحیف کے جملہ امکانات سے محفوظ رہی ہے بلکہ اس کی فیض رسانیوں نے اسلامی معاشرہ کے روحانی اجتماعی ڈھانچے کو ہمیشہ برقرار اور محفوظ رکھا ہے اور اس پر کبھی ایسا دَور نہیں آیا جب اس کا چشمۂ فیض خشک ہوا ہو، اور اسلامی معاشرہ میں انقطاع واقع ہوا ہو ۔

قرآن حکیم کی یہی وہ مسلمہ حیثیت ہے جو مستشرقین کی چشمِ حسود میں ہمیشہ خار بن کر کھٹکتی رہی ۔ یہی وجہ ہے علم و تحقیق کے نام پر ان حلقوں میں گزشتہ دو صدیوں سے اس طرح کی کوششیں کی جا رہی ہیں جن سے قرآن حکیم کے بارہ میں ایسے شکوک پیدا کرنا مطلوب ہے جن سے یہ ثابت ہو سکے کہ گزشتہ کتابوں کی طرح قرآن بھی معاذ اللہ تحریف و تصحیف کے امکانات سے دوچار ہوا ہے ۔

لیکن یہ کام آسان نہیں، پہلے ہی قدم پر اس طرح کے شکوک کو اس حقیقت کی بنا پر بے بنیاد اور غلط قرار دیا جا سکتا ہے کہ قرآن اور تاریخ اسلامی میں رشتہ و تعلق کی نوعیت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے دامن میں جن روشن اور تابندہ شواہد کو سمیٹے ہوئے ہے ان کے ہوتے ہوئے کوئی بھی منصف مزاج شخص اس کتاب سے متعلق شکوک و شبہات میں گرفتار نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ قرآن صرف ایک کتاب ہی نہیں اور صرف ایک دعوت ہی نہیں بلکہ ایک مصدر فیض اور سرچشمہ ہدایت بھی ہے جس کی تجلیات نے ایک زندہ اور پائندہ معاشرہ اور ایسی قائم و دائم تاریخ کی حیثیت اختیار کر لی ہے جس کی ایک ایک کڑی باہم متصل و پیوستہ اور جانی بوجھی ہے جس کو عمداً نظرانداز کر دینے سے شکوک و شبہات پیدا کیے جاتے ہیں۔

اور اگر یہ تجزیہ صحیح ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ جمع و کتابت قرآن کے موضوع پر داد تحقیق دینے سے پہلے قرآن حکیم کو اس نظر سے دیکھنے کی ضرورت ہے کہ یہ ایک ایسی کتاب ہے جو بتدریج تیئیس برس میں نازل ہوئی ہے اور اس عرصہ میں اپنے فکر و عمل کے تمام گوشوں کی نگرانی کی ہے انھیں بدلا، ڈھالا اور بے حد متاثر کیا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ملت یا اسلامی معاشرہ کی رگ و پے میں یہ اس طرح رچ بس گئی ہے کہ کسی طور سے بھی اسے اس دور کی تبلیغی اور اصلاحی تقاضوں سے الگ تھلگ اور بے تعلق نہیں سمجھا جا سکتا۔ یعنی اس کی ایک ایک آیت، ایک ایک سورت، یا حکم جب نازل ہوا ہے تو وہ صرف کتاب ہی کی زینت نہیں بنا بلکہ آویزۂ گوش بھی بنا ہے، قلب کی رونق افروزیوں کا سبب بھی قرار پایا ہے اور بحیثیت مجموعی اس نے اسلامی معاشرہ کی اجتماعی و عملی تفسیر کی صورت بھی اختیار کی ہے۔ ظاہر ہے جو کتاب الفاظ و حروف کی حدبندیوں سے نکل کر اس طرح معاشرہ کا جزو لاینفک بن جائے، اس کے بارہ میں استشراق کے بل بوتے پر شک و ریب کے امکانات کو ابھارنا علمی بددیانتی نہیں تو اور کیا ہے۔

حفاظت و صیانت قرآن کے مراحلِ ثلاثہ کی تشریح

اس اجمالی اور اصولی بحث کے بعد آئیے ہم حفاظت و کتابت قرآن کے سلسلہ میں ان مراحل ثلاثہ کا قدرے تفصیل سے جائزہ لیں، جن سے گزر کر یہ کتاب ہُدیٰ ہم تک پہنچی ہے۔

عصر نبوت میں قرآن حفظ و کتابت کی کس منزل میں تھا یا اس وقت اس کی ترتیب و تنسیق کی کیا نوعیت تھی، اس کو سمجھنے کے لیے جن مقدمات و نکات پر غور کرنا ضروری ہے وہ یہ ہیں:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۱۔ ظاہر ہے کہ روزِ اول اور ازل ہی سے علمِ الٰہی میں یہ طے تھا کہ اس کو کس انداز اور کن تبلیغی مصالح کی بنیاد پر نازل کرنا ہے اور پھر کس اسلوب اور نہج سے اس کی آیات و سور کو ترتیب دینا ہے۔ یعنی تنزیل اور جمع و حفاظت کے تمام تر وسائل پہلے سے علمِ الٰہی میں متعین تھے۔

وَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الْاَرْضِ وَ اللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ[1]

اور جو کچھ آسمانوں میں ہے۔ اور جو کچھ زمین میں ہے اس کو سب کی خبر ہے۔

قُلْ اَنْزَلَهُ الَّذِی یَعْلَمُ السِّرَّ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ[2]

کہہ دو کہ اس نے اس کو اتارا ہے جو آسمانوں اور زمین کے اسرار کو جانتا ہے۔

اور کیوں نہ ہو، یہ کتاب اگر ربوبیت کبریٰ کی فیض رسانیوں کا نتیجہ ہے اور اس کو اگر علیم و خبیر خدا نے اتارا ہے تو ضروری ہے اس کی ترتیب کے دونوں نقشے۔ یعنی ترتیب نزول اور ترتیب جمع۔ علمِ الٰہی کی حد تک پہلے سے متعین اور مقدر ہوں۔

۲۔ پھر جب اس کتاب کے بارہ میں اس علمِ الٰہی نے لوحِ محفوظ کی شکل اختیار کی جس کو علمِ الٰہی کی تجلّی اعظم کہنا چاہیے تو اس وقت بھی ترتیب کے یہ دونوں نہج متعین تھے۔ کیونکہ اس میں تغیرات عالم سے متعلق تمام تفصیلات پہلے سے درج ہیں۔ تجلی کی اس صورت کا ذکر قرآن نے خصوصیت سے کیا ہے۔

بل ھو قرآن مجید فی لوح محفوظ۔[3]

بلکہ یہ کتاب قرآن عظیم ہے اور لوح محفوظ میں ارتسام پذیر ہے۔

لوح محفوظ کا دوسرا نام الکتاب بھی ہے یہ علوم و معارف کا کس درجہ احاطہ کیے ہوتے ہے اس کی وضاحت بھی قرآن ہی نے کی ہے۔

وما من دابۃ فی الارض ولا طٰٓئر یطیر بجناحیہ الا امم امثالکم ما فرطنا فی الکتاب من شیٔ[4]

---

[1] آل عمران ۲۹
[2] الفرقان : ۶
[3] البروج : ۲۲
[4] الانعام : ۳۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور زمین میں جو چلنے پھرنے والا حیوان یا دو پروں پر اڑنے والا جانور ہے ان کی بھی تم لوگوں کی طرح جماعتیں ہیں۔ ہم نے کتاب میں لکھنے میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کی۔

اسی حقیقت علمیہ اور تجلی اکبر کو قرآن ام الکتاب کے نام سے بھی تعبیر کرتا ہے۔

یمحوا اللہ ما یشاء ویثبت وعندہٗ ام الکتاب[۵]

خدا جس کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے قائم رکھتا ہے اور اس کے پاس اصل کتاب ہے۔ "ام" کے معنی سرچشمہ، اصل اور اساس اور جڑ کے ہیں جو کائنات کے جملہ تصرفات کو اپنی آغوش میں لیے ہوئے ہے لہٰذا ام الکتاب کا مطلب یہ ہے کہ یہ کائنات بخت و اتفاق کی طرفہ طرازیوں کا نتیجہ نہیں بلکہ اس کی تخلیق، ارتقا اور تکمیل کے تمام مراحل اس تدبیر اور سلیم کا حصہ ہیں، جس کو ربوبیت کبریٰ نے حضرت انسان کی فلاح و بہبود کی خاطر اختیار کیا۔ قرآن حکیم کے سلسلہ میں اس لفظ پر ہم خصوصیت سے اس لیے زور دے رہے ہیں تاکہ اس حقیقت کو ہم دلوں میں اتار سکیں کہ کائنات کی طرح اس کتاب کا نزول بھی تدبیر الٰہی کا کرشمہ ہے۔ چنانچہ اس کا نزول حفظ و صیانت کے ان تمام امکانات کا حامل ہے جن سے کسی معاشرہ کی تربیت ہوسکتی ہے یا جس سے تزکیہ اور تحلیہ کے عمل کو جاری رکھا جاسکتا ہے اور بحیثیت مجموعی ان تمام مضمرات ارتقا کو اجاگر کیا جاسکتا ہے جو اس غرض و مقصد کے لیے ضروری ہیں۔

۳۔ قرآن کے اسباب حفظ و صیانت کی اہمیت کا مسئلہ خصوصیت سے اس لیے تدبیر کا ہدف بنا، کہ گزشتہ قوموں کی اخلاقی و روحانی پستی کا بہت بڑا سبب یہی تھا کہ ان کے استفادہ و استفاضہ کا سلسلہ ان پاک اور الہامی نوشتوں سے بالکل کٹ کر رہ گیا تھا جو ان کو روشنی عطا کرسکتے تھے، ان میں پاکیزگی کی روح پھونک سکتے تھے یا ان کو ان قدروں سے روشناس رکھ سکتے تھے جن سے کسی قوم یا معاشرہ کا خمیر تیار ہوتا ہے۔ اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ مذہب و دین کے نوشتے اور تہذیب و ثقافت کے یہ مآخذ جن سے زندگی حاصل کی جاسکتی تھی تحریف و تغیر کا شکار ہوکر رہ گئے۔ اور اس طرح جب کسی قوم کا رشتہ روشنی اور زندگی کے سوتوں سے کٹ جاتا ہے اور ان میں اور ان کی کتابوں میں طول امد کی دیواریں حائل ہوجاتی ہیں تو اس کے نتیجے میں اس قوم میں وہ تمام برائیاں پیدا ہوجاتی ہیں جو اس کے زوال و انحطاط کا باعث ثابت ہوتی ہیں۔ ان

---

۵ الرعد ۳۹

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قوموں کے بارہ میں قرآن نے اسی حقیقت کو تاریخی شہادت و تجربہ کی حیثیت سے پیش کیا:

الم یأن للذین اٰمنوا ان تخشع قلوبھم لذکر اللہ وما نزل من الحق ولا یکونوا کالذین اوتوا الکتاب من قبل فطال علیھم الامد فقست قلوبھم وکثیر منھم فاسقون[۵۶]

کیا ابھی تک مومنوں کے لیے اس کا وقت نہیں آیا کہ خدا کی یاد کرنے کے وقت اور قرآن جو خدائے برحق کی طرف سے نازل ہوا ہے اس کے سننے کے وقت ان کے دل نرم ہو جائیں اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جائیں جن کو ان سے پہلے کتابیں دی گئی تھیں پھر ان پر زمان طویل گذر گیا تو ان کے دل سخت ہو گئے۔

اور قرآن حکیم کو چونکہ رہتی دنیا تک انسانیت کی فلاح وبہبود کی خاطر زندہ اور قائم رہنا تھا اس لیے مشیتِ ایزدی نے قرآن کے سلسلے میں حفظ وصیانت کے ایسے اسباب و وسائل فراہم کر دیے کہ جن کی وجہ سے امتِ مسلمہ ہمیشہ اس سے استفادہ وافادہ کے عمل کو جاری رکھ سکے اور ہر ہر دور میں اس کی روشنی میں نہ صرف اپنے انفرادی واجتماعی اعمال کا جائزہ لے سکے، بلکہ آئندہ کے لیے اپنے لیے فکر وعمل کی راہوں کو متعین و استوار بھی کر سکے۔ لیکن اس کے یہ معنی نہ سمجھے جائیں کہ ہم اس بات کے قائل ہیں کہ مسلمانوں میں کبھی بھی بدعات کا فروغ نہ ہو پائے گا یا یہ کہ یہ گناہ و معصیت کے ارتکاب سے ہمیشہ محفوظ و مامون رہیں گے۔ ہم جو کچھ کہنا چاہتے ہیں، وہ یہ ہے کہ یہ قوم چاہے کتنی ہی مجرم اور کتنی گنہ گار ہو جائے۔ قرآن کی بدولت کبھی بھی گم کردہ راہ نہیں ہوگی۔ یعنی قرآن ہمیشہ اور ہر ہر دور میں ان کے لیے ہدایت وروشنی کا مینار ثابت ہوگا، جس سے ارباب اصلاح وتجدید کو معلوم ہو سکے گا کہ خیر وشر، حق وباطل اور غلط وصحیح میں حدود فاصل کیا ہیں۔

حفظ وصیانتِ قرآن کے اسباب ووسائل کی نشاندہی

رہا یہ سوال کہ آخر حفظ وصیانت کے وہ کیا اسباب ووسائل ہیں جن سے اللہ تعالیٰ کی یہ کتاب بہرہ مند ہے۔

۴- ان اسباب ووسائل میں جن کو قرآن حکیم کی حفاظت وصیانت کے لیے اختیار کیا گیا،

---

۵۶ الحدید: ۱۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پہلی شی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس یقین دہانی کا اظہار تھا کہ جہاں تک اس کتاب کے محفوظ اور خاص ترتیب کے ساتھ مجتمع ہونے کا تعلق ہے، یہ ہمارا ذمہ ہے۔ اس میں کبھی بھی باطل کی آمیزش نہ ہو پائے گی۔

ان علینا جمعہ وقرآنہ[۵۷]

اس کا جمع کرنا اور پڑھوانا ہمارے ذمہ ہے۔

لا یاتیہ الباطل من بین یدیہ ولا من خلفہ[۵۸]

اس میں کھوٹ کی دخل اندازی نہ آگے سے ممکن ہے نہ پیچھے سے۔

اس یقین دہانی کے معنی یہ بھی ہیں کہ آنحضرت اور اس دور کا پورا اسلامی معاشرہ اس بارے میں شعور و احساس رکھتا تھا کہ اس کتاب کو ہمیں بہر حال زمانے کی دست برد سے محفوظ رکھنا ہے اور ان تمام احتمالات اور امکانات کو رد کر دینا ہے جن سے تغیر و تصرف کے داعیے ماضی میں ابھرے ہیں۔

یہاں قرآن حکیم کے اسلوبِ بیان کے بارہ میں اس نکتہ کو ملحوظ رکھنا چاہیے کہ اس میں کبھی کبھی حکم و امر کے داعیوں کو خبر کی صورت میں بھی ڈھالا جاتا ہے جیسے نماز سے متعلق فرمایا کہ یہ فحشاء اور منکرات سے انسان کو باز رکھتی ہے۔ اس کے معنی جہاں نماز کی خصوصیات واقعی کی نقاب کشائی کرنا ہے وہاں یہ حکم دینا بھی ہے کہ اگر نماز کا التزام کرتے ہو تو پھر یاد رکھو تمہیں زندگی کو گناہ اور معصیت کے داغ دھبوں سے پاکیزہ رکھنا ہوگا۔ اسی انداز میں جہاں قرآن حکیم کے متعلق اس امر واقعہ کو بیان فرمایا ہے کہ اس میں باطل کی آمیزش اور رطوبی نہیں ہو پائے گی اور یہ کہ اس کی قرأت اور جمع کی ذمہ داریوں کو از راہِ کرم ہم نے تسلیم کر لیا ہے تو اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ تم اپنی طرف سے ان تمام ذرائع اور وسائل کو بروئے کار لاؤ، جس سے کتاب اللہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ ہو جائے۔ یعنی یہ یقین دہانی امر واقعی کی ترجمانی بھی ہے اور حکم و امر بھی۔

---

۵۷ القیامہ: ۱۷   ۵۸ فصلت: ۴۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۵۔ اور یہ اس یقین دہانی ہی کی تکمیل تھی کہ ہر سال آنحضرت رمضان میں جبریل امین کو باقاعدہ قرآن سناتے اور جبریل امین آنحضرت کو پڑھ کر سناتے۔ حدیث میں اس صورت حال کو معارضہ سے تعبیر فرمایا ہے اور معارضہ باب مفاعلہ ہے جو دونوں کی شرکت کا متقاضی ہے۔ اس سے اس بات کی توثیق ہو جاتی ہے کہ قرآن کو جس شکل میں انھوں نے قلب پیغمبر میں اتارا ہے بعینہٖ اسی شکل میں محفوظ بھی ہے۔ ظاہر ہے اگر قرآن حکیم اپنی جگہ مرتب نہ ہوتا تو معارضہ و استحضار کی یہ صورت قطعی ناممکن ہوتی۔

اس سلسلہ میں یہ چیز بھی خاص طور پر ملحوظ رکھنے کی ہے کہ حفظ و استحضار کی حد تک قرآن کا عہدِ نبوی میں مرتب ہونا اس لیے بھی ضروری تھا کہ اس دَور کی ضروریاتِ دینی اس کی متقاضی تھیں۔ صحابہ نمازوں میں اس کو پڑھتے تھے، روزانہ اس کی تلاوت کرتے تھے، اس کی تعلیم دیتے تھے اور اس کے تفسیری نکات کو بیان کرتے تھے یہی نہیں دوسروں تک اس کے پیغام کو پہنچاتے تھے۔ مزید برآں پیش آیند مسائل کی صورت میں اس سے ہدایت و رہنمائی بھی حاصل کرتے تھے۔ جس کے یہ معنی ہوئے کہ تدریس و افتا، تبلیغ اور عبادات ایسے دینی تقاضے تھے جن کی تکمیل بجز حفظ کے ممکن ہی نہ تھی۔ یہی وجہ ہے خود آنحضرت کی زندگی ہی میں صحابہ کی ایک کثیر تعداد حفظِ قرآن کے اعزاز سے بہرہ مند ہونا اپنے لیے موجب فلاح و برکات سمجھتی تھی۔

عہدِ نبوی کے حفاظ و قراء کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز تھی

یہ حفاظ جن کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز تھی۔ تاریخ و سیر کی اصطلاح میں "قراء" کہلاتے تھے۔ "قراء" کے معنی ایسے لوگ تھے جو قرآن نہ صرف پڑھتے تھے بلکہ اس کی تشریح و تفسیر کے شناور بھی تھے اور ان میں ہر ایک کا اپنا حلقۂ درس تھا جو ان علوم کو حاصل کرتا اور ان کو قلب و ذہن اور کردار و عمل کی زینت بناتا۔ اس کی تبلیغ کرتا اور اس سلسلہ میں دور دراز علاقوں تک تگ و تاز کرتا اور اشاعتِ دین کے فرائض کو بجا لاتا۔

یہ قراء کئی اقسام کے حامل ہیں۔ کچھ حضرات وہ تھے جنھوں نے پورا قرآن یاد کر رکھا تھا اور اس کو باقاعدہ آنحضرت کے سامنے پڑھ کر تصدیق و استناد کا درجہ حاصل کر لیا تھا۔ انھی کے بارہ میں حضور نے فرمایا تھا:

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خذوا القرآن من اربعۃ من عبداللہ ابن مسعود و سالم و معاذ و ابی ابن کعب۔[۵۹]

قرآن اور علوم و معارف قرآن کو ان چار صحابہ سے حاصل کرو۔ عبداللہ بن مسعود سے سالم سے، معاذ اور ابی بن کعب سے۔

بعض روایات میں ان صحابہ کی تعداد سات بتائی گئی ہے جو قرآن کی تعلیم و تدریس کے سلسلہ میں مشہور ہیں: عثمان بن عفان، علی ابن ابی طالب، ابی بن کعب، زید بن ثابت، عبداللہ بن مسعود ابو درداء اور ابو موسیٰ الاشعری۔ بئر معونہ میں رعل و ذکوان کے قبائل نے جن حفاظ کو شہید کیا ان کی تعداد احادیث و سیر کی کتابوں میں ستر بتائی گئی ہے، وہ صحابہ جن کو اگرچہ پورا قرآن یاد تھا مگر دور دراز علاقوں میں سکونت پذیر ہو جانے کی وجہ سے ان کو اس کا موقع نہیں ملا تھا کہ سید الحفاظ، جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر سند قرأت و سماع حاصل کر پاتے، ان کی تعداد بقول الماوردی اور ابن سلام کے سینکڑوں سے متجاوز تھی۔[۶۰] صحابہ میں ایسے حضرات بھی تھے جن کو قرآن کے بعض حصص پر ہی عبور تھا اور ایسے حضرات تو بے شمار تھے جنھوں نے اکثر یا چند آیات ہی کو یاد کر رکھا تھا۔

اصحابِ صفہ

آنحضرت کے زمانہ میں صیانتِ قرآن کے بارہ میں جن ذرائع سے کام لیا گیا، ان میں اصحابِ صفہ کا ذکر خصوصیت سے شائستہ التفات ہے۔ یہ وہ مقدس گروہ تھا جو صبح و شام آنحضرت سے قرآن کی تعلیم حاصل کرتا۔ اس کے مفہوم و معنی کو سمجھتا۔ اس کے اطلاق پر غور کرتا، اور یہ دیکھتا کہ اس کی تجلیات کو کس حد تک قلب و روح کی گہرائیوں میں جذب کیا جا سکتا ہے۔

اس ضمن میں اس حقیقت کو بھی نگاہ میں رکھنا چاہیے کہ حفظ و تعلیم کی کوششوں کے علاوہ ایک کوشش یہ بھی ہوئی کہ کاتبینِ وحی کا ایک مستقل گروہ تیار ہو گیا جس کا کام ہی یہ تھا کہ وحی و تنزیل کے شہ پاروں کو قلم و قرطاس کے حوالے کرتے رہیں، اور قرآن کی ایک ایک آیت اور

---

[۵۹] الاتقان، باب النوع العشرون فی معرفۃ حفاظہ و رواتہ

[۶۰] البرہان، ج ۱، ص ۲۴۲۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سورۃ کو باقاعدہ قیدِ تحریر میں لے آئیں[۱۱]

عہدِ صدیقی

آنحضرتؐ کے وصال کے ساتھ، قرآن کے حفظ وصیانت کا پہلا مرحلہ اختتام پذیر ہوا جس میں اللہ کی یہ کتاب نہ صرف مرتب صورت میں سینوں میں محفوظ ہوئی، کاغذ، چمڑا، پتھر اور کھجور کی شاخوں پر مرقوم ہوئی بلکہ اسلامی معاشرہ میں اس طرح رچ بس گئی کہ تحریف وتغییر کے ہر امکان کا سدِباب ہوگیا۔

دوسرے مرحلہ میں جس کا آغاز صدیق اکبر کے عہدِ خلافت سے ہوتا ہے۔ صرف یہ ہو پایا کہ اس کو ایک مصحف اور جلد کی صورت میں جمع کردیا گیا۔ یعنی جو صحیفہ ابھی تک حرف حفظ وبحث، تعلیم وتدریس اور کتابت وعمل کی شکل میں ابلاغ کے متفرق ذرائع میں منقسم تھا۔ اب اس نے ایک مستند سرکاری نسخہ کی حیثیت اختیار کرلی۔ جس کی صحت وثبات پر تمام صحابہ نے اجماعی حیثیت سے مہرِ تصدیق ثبت کردی۔ حضرت صدیق نے اس نسخہ کا نام مصحف رکھا۔ اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔

یہ کام آنحضرتؐ کے زمانہ میں بھی ہوسکتا تھا لیکن اس لیے نہیں ہو پایا کہ اس میں وحی کی فیض رسانیوں کا وہ تسلسل مانع تھا جو برابر تیئیس برس تک جاری رہا۔ ظاہر ہے جب تک پورے کا پورا قرآن نازل نہ ہوجاتا۔ یہ کس طرح ممکن یا مناسب تھا کہ اس کو ایک مرتب اور مصدقہ نسخہ کی حیثیت دی جاتی۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہی چاہا کہ اس سعادت کو بھی حضرت صدیق کے فضائل ومناقب ہی کے کھاتے میں لکھا جائے۔ تاکہ وہ جو اپنی خدمات اور تعلق خاطر کی وجہ سے حضور کے یارِ غار یا ثانی اثنین کے اعزاز سے بہرہ مند ہوئے اس شرف سے بھی مشرف ہوں کہ انھوں نے کتاب اللہ کی حفاظت وصیانت کی خاطر یہ عظیم اقدام کیا کہ اس کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے "دفتین" کی صورت میں منضبط فرمادیا۔

اس مرحلہ کا آغاز کیوں ہوا۔ اس کی تفصیل صحیح بخاری کی ایک روایت سے ہوتی ہے:

---

[۱۱] ان کی صحیح تعداد کیا ہے۔ اس میں اختلاف ہے۔ بعض روایات میں ان کی تعداد چالیس سے زیادہ بتائی گئی ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"زید بن ثابت کا کہنا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اہلِ یمامہ کی تفصیلات سے مجھے آگاہ کیا۔ حسن اتفاق سے اس وقت ان کے ہاں حضرت عمر فاروق بھی تشریف فرما تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا کہ عمرؓ میرے پاس آئے اور انھوں نے بتایا کہ یمامہ کی معرکہ آرائی میں قرار کو سخت نقصان پہنچا ہے اور مجھے ڈر ہے کہ لڑائی کے یہ شعلے دوسرے مقامات تک نہ پھیل جائیں۔ اور وہاں بھی قراء سے یہی سلوک نہ روا رکھا جائے۔ اور پھر اس کا نتیجہ خدانخواستہ یہ نکلے کہ اس سے حفاظت و صیانت کے ان ذرائع کو بھی گزند پہنچے۔ میری (ابوبکر) کی رائے یہ ہے کہ جمع قرآن کی کوئی تدبیر کرو۔ اس پر میں نے حضرت عمر سے کہا کہ جو کام آنحضرتؐ نے نہیں کیا وہ تم کیوں کر انجام دو گے۔ اس کے جواب میں حضرت عمر کا کہنا تھا۔ بخدا یہ تجویز عمدہ اور خیر پر مبنی ہے اس مسئلہ میں، ہم میں برابر تبادل خیال ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے شرح صدر سے نوازا اور حضرت عمر کی یہ بات میرے دل میں اتر گئی۔

زید بن ثابت کا قول ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے مجھ سے کہا کہ تم نوجوان اور سمجھدار ہو۔ مزید براں قرآن کے بارہ میں تمھارا کردار بے داغ ہے۔ تم نے آنحضرتؐ کے کاتبِ وحی کی حیثیت سے کام بھی کیا ہے۔ اس لیے بہتر یہ ہے قرآن سے متعلق تفحص و تحقیق سے کام لو اور اس کو ایک مصدقہ جلد کی صورت میں جمع کر ڈالو۔ حضرت زید بن ثابت کا کہنا ہے کہ میرے لیے اس عظیم ذمہ داری کا بار اٹھانا بہت مشکل تھا۔ مَیں یہ تو کر سکتا تھا کہ کسی پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹا کر دوسری جگہ پر نصب کر دوں۔ مگر جمع قرآن کی ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونا ہرگز آسان بات نہ تھی۔ میرے لیے اس میں اشکال کا یہ پہلو خاص اہمیت کا حامل تھا کہ جو کام آنحضرتؐ کے عہد مبارک میں نہیں ہو پایا۔ اس کو میں کیونکر انجام دینے کی جسارت کروں۔ اس بنا پر میں نے اعتراض کیا کہ جو کام آنحضرتؐ نے نہیں کیا تم کس بنیاد پر اسے انجام دو گے۔

حضرت ابوبکرؓ کا اس کے مقابلہ میں ایک ہی جچا تلا جواب تھا کہ یہ کارِ خیر ہے۔ اس مسئلہ میں وہ برابر میرے ساتھ تبادل خیال کرتے رہے۔ تا آنکہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی طرح مجھے اس مسئلہ میں شرح صدر ہوا، اور مَیں نے قرآن کے تحریری مجموعوں کو عسب (کھجور کی شاخوں)، لخاف پتھر کے چپٹے ٹکڑیوں اور حفاظ کے سینوں میں محفوظ نوشتوں سے مقابلہ کر کے جمع کرنا شروع کر دیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جمع و تفحص کے دوران میں جب سورہ توبہ کی اس آخری آیت پر پہنچا:

لقد جاءکم الآیۃ [۱۲]

تو اس کی تصدیق ابی خزیمہ انصاری کے ذریعے ہوپائی ان کی شہادت چونکہ خود حدیث رسول کے مطابق دو شہادتوں کے برابر تھی۔ اس بنا پر میں نے اس کو قبول کیا اور سورہ توبہ کے آخر میں درج کر دیا [۱۳]

یمامہ کی جنگ مسیلمہ کذاب کے حواریوں سے ۱۲ھ میں ہوئی۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ قرآن کے ابلاغ، تدریس، تشریح اور اس کے معاشرہ میں ایک دینی ضرورت و اساس ہونے کی حیثیت سے متشکل ہو جانے پر پورے بارہ برس گزر چکے تھے۔ اس اثنا میں یہ اس درجہ سینوں میں محفوظ ہو چکا تھا اور اس طرح اسلامی معاشرہ کی رگ و پے میں جاری و ساری ہو چکا تھا کہ حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت زید نے مزید حفاظتی کوششوں کو اول اول غیر ضروری سمجھا، لیکن حالات کی نزاکت کے پیش نظر اور امت کی مصلحت کی خاطر آخر اس بات کے قائل ہو گئے کہ قرآن کا ایک نسخہ ایسا ضرور ہونا چاہیے جو باقاعدہ ایک جلد یا مصحف کی صورت میں پایا جائے۔ ابن اشتہ (یعنی محمد بن عبداللہ بن محمد بن اشتہ) کی تصریح کے مطابق اس نسخہ کا نام مصحف رکھا گیا [۱۴]

یہاں اس نکتہ کو ملحوظ رکھنا چاہیے کہ حضرت زید کے اس قول کا۔ کہ میں نے سورہ توبہ کی آخری آیت کو صرف ابن خزیمہ انصاری کے ہاں پایا، اس لیے درج کر دیا۔ یہ مطلب نہیں کہ یہ آیت خدانخواستہ ان کے علاوہ دوسرے صحابہ کو معلوم نہ تھی۔ آنحضرتؐ نے قرآن کے ایک ایک لفظ کو امت تک پہنچا دیا تھا۔ اور حفاظت و صیانت کے سلسلہ میں اس کو اس سطح بلند تک اچھال دیا تھا کہ اس میں کسی شبہ اور تغیر کی گنجائش ہی پیدا نہیں ہو سکتی تھی۔ بات صرف یہ تھی کہ حضرت زید نے جمع قرآن کے بارہ میں اس اصول کو مدِنظر رکھا تھا کہ وہ دولت، جو سینکڑوں سینوں میں محفوظ ہے، اس کو کتابی شکل میں ڈھالنے کے لیے خارجی ذرائع انضباط کا خیال رکھا جائے اور اس وقت تک کوئی سورہ یا آیت درج مصحف نہ ہونے پائے جب تک کہ اس کی توثیق خارجی شہادتوں سے

---

[۱۲] ۱۲۸ [۱۳] فی کتاب فضائل القرآن [۱۴] الاتقان سیوطی ج ۱، ص ۱۰۰

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہ ہو جاتے۔ چنانچہ علامہ زرکشی کا یہ کہنا بہت معقول ہے

کان للاستظھار لا لاستحداث العلم۔[۱۵]

یعنی بربنائے توثیق ایسا کیا گیا نہ یہ کہ ان کو پہلی دفعہ یہ معلوم ہوا کہ یہ آیت بھی من جملہ دوسری آیات کے سورہ توبہ کا حصہ ہے۔

عہدِ عثمانی

قرآن کا یہ اعجاز ہے کہ اس کی حفظ و صیانت کی کوششوں نے تاریخ اور تشریع کی دو گونہ مصلحتوں کو پہلو بہ پہلو رکھا۔

قرآن حکیم کی حفظ و صیانت کے تیسرے مرحلہ کا آغاز حضرت عثمان کی ان مساعی سے ہوتا ہے جو آپ نے اس دور میں اس سلسلہ میں انجام دیں۔ قرآن حکیم کے بارہ میں اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا یہ کرشمہ و فیض خاص طور پر توجہ طلب ہے کہ یہاں تاریخ اور تشریع کی مصلحتیں ساتھ ساتھ اور پہلو بہ پہلو کارفرما ہیں اور ان میں نظم و ترتیب کا ایسا نظام پایا جاتا ہے جس سے قرآن حکیم محفوظ سے محفوظ تر ہو جاتا ہے۔ یعنی پہلے تو قرآن سینۂ جبرائیل سے قلبِ پیغمبر میں منتقل ہوا پھر تیئس برس کے طویل عرصہ میں عبادات و تدریس اور تبلیغ و افتاء کے تقاضوں نے اسے پورے اسلامی معاشرہ میں رواج دیا۔ چنانچہ متعدد حضرات نے اس سے سینوں کو روشن کرنے کی سعادت حاصل کی۔ یہی نہیں، اس سے آگے بڑھ کر اس کی تفسیر و تشریح کے لیے متعدد مدرسے قائم کیے، جن سے الفاظ و متن کے ساتھ معانی یا کلیے بھی محفوظ ہو گئے اور اس طرح تھوڑے ہی زمانہ میں حفاظ، قراء، شارحین قرآن کی ایک کھیپ کی کھیپ تیار ہو گئی۔ حضرت صدیق کے دورِ صدق و اخلاص میں تدابیر حفظ نے ایک قدم اور آگے بڑھایا اور وہ قرآن جو کتابت کی حد تک ہڈیوں، پتھروں، چمڑے کے ٹکڑوں اور کھجور کی چوڑی چکلی شاخوں پر مرقوم تھا۔ ایک جلد میں جمع ہوا۔

---

[۱۵] البرہان ج ۱، ص ۲۳۴

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حفظِ قرآن اور ترتیب اشیا کا تقاضا

یکساں اور مسلمہ اسلوب تحریر کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی ؟

اس کے بعد جہاں تک ترتیب اشیا کا تعلق ہے تیسرا قدم یہ اٹھنا چاہیے کہ قرآن، جواب تک تحریر و نوشت کی ان بوقلمونیوں کا حامل تھا۔ ایک متعین اور مسلمہ اندازِ تحریر سے آشنا ہو، اور حفظ و صیانت کے اس نہج کا موقع حضرت عثمانؓ شہید کے بابرکت دور نے فراہم کیا۔ ان سے پہلے قرآن حکیم کو متعدد حضرات نے اپنے ذوق اور سہولت کے پیش نظر تحریر و تسوید کے مختلف طریقوں سے ترتیب دے رکھا تھا۔ اس کے پیش نظر اب ضرورت اس بات کی تھی کہ قرآن سینوں کے علاوہ صحیفوں کی شکل میں بھی روشناس ہو اور ایسے مستند اسلوب تحریر پر مشتمل ہو جس پر تمام صحابہ کا اتفاق و اجماع ہو، نیز جو اسلوبِ تحریر کی حد تک قرأتِ متواترہ پر بھی مشتمل ہو ؟

یہ موقع کیونکر فراہم ہوا۔ اس کی تفصیل صحیح بخاری میں یوں درج ہے کہ جب آرمینیا اور آذربائیجان کی معرکہ آرائیوں میں حضرت حذیفہ بن الیمان کو، اہلِ عراق کے مختلف لوگوں سے واسطہ پڑا تو انھوں نے محسوس کیا کہ ان میں لب و لہجہ اور قرأت کا نمایاں فرق ہے۔ اس سے انھیں یہ اندیشہ لاحق ہوا کہ مبادا یہ اختلافات بڑھتے بڑھتے وہ انداز اختیار نہ کرلیں جو تورات و انجیل سے متعلق یہود و نصاریٰ نے اختیار کیا تھا۔ حضرت حذیفہ نے حضرت عثمان کو اس صورت حال سے آگاہ کیا اور کہا کہ اس کا کوئی تدارک کیجیے۔ اس پر حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہ سے کہا کہ وہ سرِدست اپنا نسخہ بھجوا دیں۔ اور یقین دلایا کہ بعد میں ان کا نسخہ واپس کر دیا جائے گا۔ حضرت عثمان کی یہ رائے تھی کہ اس نسخہ کی روشنی میں ایک مستند نسخہ تیار کر کے مختلف اسلامی مراکز میں بھیج دیا جائے، تاکہ اس ابھرنے والے خطرہ کا سدباب ہو سکے۔ چنانچہ آپ نے زید بن ثابت، عبداللہ بن الزبیر، سعید بن العاص اور عبدالرحمٰن بن الحارث کو حکم دیا کہ اس نسخہ کی نقول تیار کریں۔

واضح رہے کہ یہ حضرات نہ صرف قرآن حکیم کے حافظ تھے بلکہ قریش کے لب و لہجہ سے واقف اور اس کے اسلوب کے ترجمان بھی تھے۔ اس سلسلہ میں آپ نے ان کو یہ ہدایت فرمائی کہ اگر تم میں اور زید بن ثابت کی رائے میں اختلاف ہو تو اس کا حل لسان قریش میں تلاش

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کرد۔ کیونکہ قرآن جس زبان میں نازل ہوا۔ وہ قریش ہی کی زبان تھی اور جب یہ کام حضرت عثمان کی ہدایت کے مطابق تکمیل کو پہنچا اور ایک مستند نسخہ تیار ہو گیا تو آپ نے اس نسخہ کو مختلف امصار میں بھجوا دیا اور حکم دیا کہ اس کے علاوہ جو غیر سرکاری نسخے ہیں انھیں نذرِ آتش کر دیا جائے [۱۶]

بحث و تبیین کے اس مرحلہ میں چند نکات کا ذہن میں رہنا ضروری ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ قرآن حکیم کی حفاظت و صیانت سے متعلق یہ خطرہ جس کو حضرت حذیفہ بن الیمان نے بروقت محسوس کیا ایسا نہ تھا کہ صرف انہی کو سوجھا ہو۔ ابن جریر طبری کی ایک روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ دیگر صحابہ نے بھی شدت سے اس خطرہ کو محسوس کیا تھا اور مطالبہ کیا تھا کہ لحن کے اس رواج اور یالب ولہجہ کے اس اختلاف کے پیشِ نظر جو مختلف قبائل نے اختیار کیا، قرآن حکیم کا ایک ایسا مستند نسخہ ضرور تیار ہونا چاہیے جس کو عالم اسلامی میں 'امام' یا نمونہ کی حیثیت حاصل ہو۔

اور یہ بات قرینِ قیاس بھی ہے کہ جب اسلام کا فروغ ہو اور اس کی سطوت و اقتدار کے دائرے پھیلیں اور مختلف قبائل اور ان کے اسلوبِ قرآت و تحریر کا سامنا ہو تو اختلافات اس طرح ابھر کر سامنے آجائیں کہ جن کو سبھی محسوس کریں، اور اس بات کی ضرورت پیش آئے کہ قرآن حکیم کے لیے ایک ایسے رسم الخط پہ صحابہ پر مشتمل معاشرہ متفق ہو جائے جس سے لحن و تفسیر کے امکانات ختم ہو جائیں

حضرت حفصہ کے مصحف کو کیوں مرجح قرار دیا گیا؟

اگرچہ اس وقت حضرت حفصہ کے مصحف کے علاوہ اور مصاحف بھی موجود تھے جن سے استفادہ کیا جا سکتا تھا، تاہم اس سلسلہ کی دوسری بات یہ ہے کہ حضرت حفصہ کے مصحف کو جو اہمیت دی گئی اس کی وجہ یہ تھی کہ اس مصحف کی حیثیت ایک انفرادی یا شخصی مصحف کی نہیں تھی، جیسا کہ بعض مستشرقین نے سمجھا ہے، بلکہ ایسے مسلمہ اور مستند مصحف کی تھی،

---

[۱۶] تفصیل صحیح بخاری۔ کتاب فضائل القرآن باب ثانی اور ثالث۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جس کو جمہور صحابہ کی تائید و اتفاق سے حضرت ابوبکرؓ کے عہدِ خلافت میں معرض وجود میں لایا گیا تھا۔ حضرت ابوبکر کی وفات کے بعد یہ نسخہ حضرت عمرؓ کے پاس رہا اور حضرت عمر کی شہادت کے بعد اس وقت تک حضرت حفصہ کے سپرد کر دیا گیا۔ جب تک کہ نئے خلیفہ کا انتخاب نہیں ہو پاتا۔

امہات المومنین میں سے حضرت حفصہ کا خصوصی انتخاب اس ...... موزونیت کی بنا پر ہوا کہ انھیں علاوہ ام المومنین ہونے کے یہ شرف بھی حاصل تھا کہ انھوں نے نہ صرف براہِ راست لسانِ نبوت سے ایک ایک سورۃ اور آیت کو سنا تھا بلکہ اس کو حفظ کی صورت میں قلب و ذہن کی گہرائیوں میں اتار بھی لیا تھا۔

مصحف عثمانی اور حضرت علی کا اعتراف

مصحف عثمانی کی تیاری میں پورے پانچ سال صرف ہوئے، یعنی ۲۵ھ سے ۳۰ھ تک نسخ و معارضہ کا یہ عمل برابر جاری رہا، جس میں صحابہ میں سے ان تمام جلیل القدر شخصیتوں نے حصہ لیا، جو علوم قرآن کے حامل و شارح تھے۔ ان میں سرِ فہرست حضرت علی کا نام نامی نظر آتا ہے۔ حضرت علی نے حضرت عثمان حیادار کی اس خدمت کو کس حد تک پسند کیا اور سراہا۔ اس کا ثبوت ان کے اس اعتراف سے ملتا ہے۔

لو ولیت لفعلت فی المصاحف الذی فعلہٗ عثمان [۱]

یعنی اگر زمامِ اختیار میرے ہاتھ میں ہوتی تو میں بھی مصحف کے بارہ میں وہی طرزِ عمل اختیار کرتا جو عثمان نے کیا۔

اختلاف قرأت کی صورت میں استناد اس نہج کو حاصل ہے جو تواتر سے منقول چلا آ رہا ہے۔

تیسرا اہم نکتہ اس باب میں یہ ہے کہ صحابہ کو اپنے حافظہ پر ناز تھا۔ اور قرآن حکیم کی تلاوت اس کی تدریس و تعلیم اور حلقہ ہائے قرأت و حفظ کثرت۔ اور زندگی کی ہر کروٹ اور موڑ پر اس سے استفادہ و استفاضہ کی ضرورتیں۔ یہ سب عوامل ایسے تھے جن سے قرآن حکیم اور اس سے

---

[۱] مقالات انگریزی ص ۱۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

متعلقہ معنی و تفسیر کا استحضار ضروری ہو گیا تھا۔ یہی وجہ ہے انھوں نے گو مصحف عثمانی کا خیر مقدم کیا اور ان کی نقول کو تمام عالم اسلامی میں پھیلا بھی دیا اور تاہم زیادہ معتمد علیہ قرآن کا وہ اسلوب و انداز ہی رہا، جو سینوں میں محفوظ اور قراء کے حلقوں میں متداول رہا۔ اس کا ثبوت اس حقیقت سے ملتا ہے کہ حضرت عثمان نے جہاں بلادِ اسلامی میں، ان نسخوں کو بھیجا وہاں اس کے ساتھ قرا اور حفاظ کو بھی روانہ کیا تاکہ یہ حضرات یہ بتا سکیں کہ اس رسم الخط کو کس کس انداز سے پڑھنا اور یاد رکھنا ہے۔ اس سے حضرت عثمان کا مقصد یہ تھا کہ لوگ جہاں تک قرأت کے تعین کا تعلق ہے زیادہ تر بھروسہ قرآن کے اس نہج پر کریں جو سینوں میں محفوظ اور زبانوں پر جاری ہے۔

حفظ و صیانت قرآن اور اثری شواہد

زرقانی نے ان قرا و حفاظ کی باقاعدہ نشاندہی کی ہے، جن کو اس خدمت پر مامور کیا گیا۔ ان کا کہنا ہے کہ مغیرہ بن شعبہ کو تو شام روانہ کیا گیا۔ ابو عبدالرحمٰن السلمی کوفہ بھیجا گیا اور عامر بن عبدالقیس کا تقرر اہلِ بصرہ کے لیے ہوا۔ جب کہ مکہ اور مدینہ میں عبداللہ بن السائب اور زید بن ثابت کی خدمات سے استفادہ کیا گیا[۱۸]۔

اس مرحلہ پر اس حقیقت کو ہمیشہ سامنے رکھنا چاہیے کہ تاریخ کے مختلف ادوار میں مسلمانوں نے مصاحف عثمانی کو جو اثری اہمیت نہیں دی تو اس کی وجہ یہی تھی کہ اللہ کے اس پیغام نے شروع ہی سے حفظ و صیانت کے اس مقام بلند کو حاصل کر لیا تھا کہ جس کے پیش نظر سرے سے اس بات کی ضرورت ہی نہ تھی کہ عہد عثمانی کے ان نسخوں کو بعینہٖ محفوظ رکھا جائے لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اثری نقطۂ نظر سے قرآن محفوظ کی تائید قرآن مکتوب سے نہیں ہو پائی۔ تاریخ میں ہمیں اس نوع کی شہادتیں ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کافی عرصہ تک یہ نسخے اسلامی معاشرہ میں موجود و مروج رہے، جن سے مسلمانوں کو موقع ملتا رہا کہ وہ مکتوب و محفوظ کے مابین تصدیق و تصحیح کے عمل کو قائم رکھیں۔ چنانچہ

---

۱۸ دیکھیے مناہل العرفان ج ۱، ص ۳۹۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ابن الجزری اور ابن بطوطہ نے ان نسخوں کو اپنے اپنے زمانہ میں بچشمِ خود دیکھا اور اپنی تحریروں میں ان کا ذکر کیا ہے[19]

بعض مستشرقین نے عہدِ عثمانی کے ان نسخوں کی تلاش و تفحص سے خاصی دلچسپی کا اظہار کیا ہے۔ ان میں کواترمیر (QUATRE MERE) پیش پیش ہیں۔ ان کے بعد کازانوف نے پہلے تو ان نسخوں کی نشاندہی کی ہے جو تاریخ کے مختلف ادوار میں پائے گئے اور یہاں تک کہہ دیا کہ چوتھی صدی ہجری کے اوائل تک یہ نسخے مسلمانوں کے علمی حلقوں میں خاصے مشہور اور متداول تھے لیکن پھر از راہِ استشراق یہ شوشہ بھی چھوڑا کہ آخری تحقیقات کی رو سے ان کا درجۂ استناد مشکوک ہے۔ یہی نہیں ان کی رائے میں حضرت عثمانؓ کے عہد میں مصحف یا امام کی تدوین کا قصہ ہی سراسر غلط ہے اور بنوامیہ کے عہد کی گھڑت معلوم ہوتا ہے۔ ان کے خیال میں حجاج بن یوسف کی ان خدمات کو اجاگر اور ثابت کرنے کی خاطر جو اس نے قرآن کو منقوط کرنے کے سلسلہ میں انجام دیں، اس قصہ کو وضع کیا گیا ہے۔ بتائیے۔ فکر و اجتہاد اور تحقیق و تفحص کی اس طرفگی کا کوئی جواب دیا جا سکتا ہے۔ بلاشیر (BLACHERE) جو خود بہت بڑے مستشرق ہیں اور اسلامی لٹریچر سے نسبتاً زیادہ ہمدردانہ سلوک روا رکھنے کے عادی ہیں، لیکن اس کے باوجود قرآن میں شکوک و شبہات کے شگاف پیدا کرنے میں کسی سے پیچھے رہنے والے نہیں، اس مضحکہ خیزی پر خاموش نہیں رہ سکے۔ انھیں بادلِ نخواستہ کہنا پڑا کہ مصحفِ عثمانی کے استناد کے بارہ میں یہ رائے نصوصِ قطعیہ کے اور تاریخی شواہد کے خلاف ہے اور محض ظن و تخمین کی پیدا کردہ ہے۔ اور قطعی درخورِ اعتنا نہیں ہے[20]

تنقیداتِ عالیہ کا ہدف قرآن نہیں وہ متون ہیں جن کا درجہ استناد مشکوک ہے

اس سے پہلے ہم کہہ چکے ہیں کہ قرآن کی حفاظت و صیانت کے سلسلہ میں جو جو کوششیں بروئے کار آئیں، ان کا تعلق انسانی مساعی سے کہیں زیادہ تدبیرِ الٰہی کے ایک خاص نقشے سے ہے اور یہ کہ

---

[19] مقالات الکوثری، ص ۱۲، مباحث فی علوم القرآن ص ۸۷۔

[20] تفصیل کے لیے دیکھیے مباحث فی علوم القرآن، ص ۸۹۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس باب میں تاریخ نے ایک خاص ترتیب اور نظام کے تحت اپنا کردار ادا کیا ہے۔ سوال یہ نہیں کہ وہ چند نسخے جو حضرت عثمان نے جمہور صحابہ کی تائید و اتفاق سے تیار کرائے، کیا ہوئے۔ اس کے برعکس سوال یہ ہے کہ ایسی کتاب کے بارہ میں شکوک و شبہات کی اس نوعیت کو کیونکر ابھارا جا سکتا ہے، جو آنحضرتؐ کے عہدِ سعادت سے لے کر اب تک ہزاروں اور لاکھوں سینوں میں جلوہ طراز رہی ہے، جس نے ہمیشہ اور ہر دَور میں اسلامی معاشرہ کی مذہبی و دینی ضروریات کو پورا کیا اور تہذیب و ارتقا کے قافلوں کو آگے بڑھایا، جس کا ایک ایک لفظ نہ صرف خود محفوظ ہے، بلکہ جس نے ایک زندہ و پائندہ تاریخ کی آفرینش کی ہے اور سینکڑوں علوم و فنون کو جنم دیا ہے۔ مزید برآں جس کی ہر ہر کڑی نمایاں اور معلوم ہے اور جو اس درجہ تسلسل لیے ہوئے ہے کہ کسی بھی دَور میں اس میں انقطاع واقعہ نہیں ہوا۔ ان کوتاہ نظر مستشرقین کو معلوم ہونا چاہیے کہ کسی بھی صورت میں تنقید عالیہ کے حربوں کا ہدف قرآن نہیں ہو سکتا۔ اس کا استعمال تو صرف ان متون اور کتابوں ہی کے بارہ میں صحیح مانا جا سکتا ہے، جن کی اصالت اور درجہ استناد کے آگے تاریخ کی ستم ظریفیوں نے کئی دیواریں حائل کر رکھی ہیں۔ یعنی جن کے بارہ میں نہ تو یہ معلوم ہے کہ کب نازل ہوئیں اور ان کی تدوین و ترتیب میں کن کن عناصر نے حصہ لیا۔ نہ یہ طے ہے کہ کس زبان میں نازل ہوئیں اور نہ یہ زبانیں ہی آج زندہ ہیں کہ ان سے ٹھیک ٹھیک مطالب کا استنباط کیا جا سکے۔ یعنی اس کے بارہ میں یہ قطعی معلوم نہیں کیا جا سکتا کہ ان کی حفاظت و صیانت کے لیے کیا سائنسی ذرائع اختیار کیے گئے۔ مزید برآں جن کے متعدد نسخے اور متون تغیر و تضاد کا ایسا شاہکار ہیں کہ ان کی کوئی معقول تاویل ممکن ہی نہیں۔

حفظ و صیانت قرآن کے بارہ میں تدبیر الٰہی کی ارزانیاں

اور وہ کتاب ہُدیٰ تنقیدِ عالیہ سے کیونکر متاثر ہو سکتی ہے جس کے بارہ میں تدبیرِ الٰہی کی ارزانیاں اس درجہ عام ہوں کہ اس کے مخاطبین اولین کے عہد ہی میں مصحفِ عثمانی کے علاوہ ایک لاکھ کے لگ بھگ اس کی نقول نہ صرف تیار ہو جائیں، بلکہ اسلامی معاشرہ میں فکر و عمل کا محور قرار پائیں۔ یہی نہیں جس کو عہدِ صحابہ ہی میں سینکڑوں اور ہزاروں حفاظ کے سینوں میں جگہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ملے۔ اور پھر تاریخ کے ہر دور میں، لاکھوں اشخاص ایسے پائے جاتے ہیں، جو اس بارِ امانت کو خود بھی اٹھانے کی سعادت حاصل کریں اور آئندہ نسلوں تک تواتر اور تسلسل کے ساتھ پہنچانے کے ضامن بھی ہوں۔

غرض یہ ہے تنقیداتِ عالیہ کے مغربی اصول اور پیمانے صرف صحائف بائبل اور اناجیل کی چھان پھٹک کے لیے وضع ہوئے تھے۔ لہٰذا ان کا دائرہ کار بھی بس اسی نوع کی تحریروں تک محدود رہنا چاہیے جو تاریخی استواریوں سے محروم اور گوناگوں تضادات کی حامل ہوں۔ قرآن حکیم ایسی تابندہ و محفوظ کتاب سے متعلق منطق کی اصطلاح میں بہرحال یہ قیاس مع الفارق ہی کہلائے گا۔

حضرت عثمانؓ نے غیر مستند نسخوں کو نذرِ آتش کیوں کیا؟

رہی یہ بات کہ حضرت عثمان نے دوسرے غیر رسمی اور ذاتی استعمال کے نسخوں کو نذرِ آتش کرنے کا حکم کیوں دیا؟ یہ اعتراض دو حلقوں کی طرف سے پیش کیا جاتا ہے جن میں ایک کا تعلق تو مستشرقین سے ہے اور دوسرے کا ان چند حضرات سے جو اس کو سوئے ادب پر محمول کرتے ہیں۔

ہم اس بحث کو طول دینا نہیں چاہتے۔ مستشرقین سے ہم صرف یہی عرض کرنا چاہتے ہیں کہ یہ اقدام بالکل اسی انداز کا ہے جو ۳۲۷ء میں کلیسا کے متفقہ فیصلہ کے تحت بائبل کی حفاظت و صیانت کی خاطر مسیحی دنیا میں بروئے کار آیا۔ یعنی جب کلیسا نے محسوس کیا کہ بائیبل کے بیسیوں نسخے جن میں متن و معنی اور تفصیلات کا اچھا خاصا اختلاف پایا جاتا تھا، مسیحی معاشرہ میں رائج اور مقبول ہیں۔ چنانچہ کافی بحث و تمحیص کے بعد علما کے ایک گروہ نے فیصلہ کیا، کہ ان گوناگوں اختلافات کو رفع کرنے کی غرض سے ایک مسلمہ سرکاری نسخہ ترتیب دیا جائے، اور باقی مروجہ، مقبول اور بعض صحیح تر نسخوں کو نہ صرف نذرِ آتش کرنے کا حکم دیا، بلکہ ان لوگوں کو موجب تعزیر بھی ٹھہرایا، جن کے ہاں ان نسخوں میں سے کوئی پایا جائے۔ سرِ دست ہم اس پر بحث نہیں کرتے کہ اس نسخہ کی ترتیب میں جو اصول یا طریقِ کار مدِ نظر رکھا گیا وہ کیا تھا، اور کس حد تک عملی حلقوں میں اس پر اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ یہاں ہمیں صرف یہ کہنا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ عیسائی تاریخ میں اسی نوع کا یہ واقعہ ملتا ہے۔

سوئے ادب کی بات ہماری سمجھ سے بالا ہے۔ کیوں کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم سے زیادہ آداب قرآن کو ملحوظ رکھنے والا کون ہو سکتا ہے، اور جب انھوں نے حفاظت قرآن کی اس تدبیر کو سراہا۔ تو ہمیں اور آپ اعتراض کرنے والے کون ہوتے ہیں؟ اور پھر ادب یہ نہیں کہ موجبات اختلاف کو زندہ رکھا جائے، بلکہ ادب اس بات کا مقتضی ہے کہ موجبات اختلاف کی تمام راہیں مسدود کر دی جائیں، اور مسلمانوں کی ہدایت و رہنمائی کے لیے ایسا نسخہ تیار کر دیا جائے جو صحیح تر رسم الخط پر مشتمل ہو۔ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ اقدام اسی غرض سے تھا۔

لمحات

شاہ ولی اللہ۔ ترجمہ: پیر محمد حسن

حضرت شاہ ولی اللہ کے عربی رسالہ "لمحات" کا یہ اردو ترجمہ ہے۔ موجودات کی اصل کیا ہے اور ان کا ظہور کس طرح ہوا؟ اس عالم کون و مکان میں ذاتِ الٰہی کس طرح کارفرما ہے۔ اور بندے کا اپنے رب سے تعلق کیسے پیدا ہوتا ہے۔ "لمحات" میں شاہ صاحب نے ان اسرار کو بیان فرمایا ہے۔ تمام حقائق کا مرجع اقل الاوائل ہے اور اسی سے کائنات کا مختلف مدارج میں صدور ہوا۔ اس کائنات میں ابداع، تدبیر، خلق اور تدلی کے ذریعہ افعالِ حق رونما ہوتے ہیں اور یہ تجلیاتِ الٰہی ہیں جن کے واسطے سے بندہ اپنے رب کے کلام کو سنتا اور دیکھتا ہے۔ ان کو بعض مذاہب نے غلطی سے ذاتِ خداوندی کا قائم مقام سمجھ لیا حالانکہ یہ صرف اس کے انوار کا محل ہیں اور اس کی طرف رہنمائی کرتی ہیں۔

یہ دقیق مسائل اس کتاب میں زیر بحث آئے ہیں۔

صفحات: ۹۶ قیمت: ۴/۲۵ روپے

ملنے کا پتہ: ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، کلب روڈ، لاہور

© rasailojaraid.com